OPEN ACCESS: "*EPISTEMOLOGY*"
eISSN: 2663-5828;pISSN: 2519-6480
Vol.8 Issue 9 June 2021

احیائے اسلام کا انقلابی و علمی منہج۔خرم مراد کے افکار کا تجزیہ

Revolontinarly & Academic Pattern of Islamic Resurgance – Review of Khuram Murad's Thoughts

M. Imran Malik
Ph.D Scholar, Departemnt of Islamic Thoughts & Civilization, University of Management & Technology, Lahore.

Dr. Tahira Basharat
Chairperson, Dept. of Islamic Thought & Civilization, University of Management & Technology, Lahore.

Abstract: Khurram Murad a well known 20th century Islamic scholar play vital role as a planner for the revival of Islam. The planing comprises of major steps taken by Khurram Murad in order to ensure the procedure which are necessary to enhance the productivity of Islam. As a planner, he pursue all the youngster, educationist, and Islamic scholar to work for the Islam. Every aspects of life has to be sequenized by khurram Murad, which give raise to information related to the ways of life we are living. The research is qualitative and based on the critical analysis of works of Khurram Murad in the form of books, articles and booklets etc. Trivial concepts are also planned in a chronological way in order to give information about life, which cover every aspect of life according to Islam. Planning strategy provides each and every aspect of life along with pros and cons available in the religious matters. The planning comprises of various activities such as training of an individual, public welfare, Quranic education. All these activities ensure the development of religion as well as how these activites are implemented in order to get effective output.

Key words: Planner, Procedure, Productivity of Islam, Chronological, Trivial Concepts

خرم مرادؒ1932ء کو وسط ہند کی مشہور مسلم ریاست بھوپال (رائے سین) میں 3 نومبر کو پیدا ہوئے۔ بر صغیر پاک و ہند کی روایت کت مطابق عموماً قرآن پاک کی تعلیم خواتین اپنے گھروں میں دیتی تھی، مساجد میں بھی اس کا اہتمام ہوتا تھا لیکن زیادہ تر لوگ اپنے بچوں کو گھروں میں قرآن پاک کی تعلیم دلواتے تھے۔

"خرم مراد نے بھی گھر پر والدہ محترمہ سے قرآن پاک اور اُردو ترجمہ کے ساتھ پڑھنے کا آغاز ہوا"[1]

آپ کے گھر کی تربیت اور ماحول کا اندازہ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ خرم مراد بچپن سے ہی نماز اور نوافل کے عادی ہو گئے تھے۔ جس چیز کو وقت کی گواہی کہتے ہیں، وہ خرم مراد صاحب کے معاملے میں شروع سے ہی مرتب ہونے لگی تھی۔

اعلی تعلیم کے لیے آپ نے بیرون ملک کے اسفار کیے اور احصول تعلم کو اپنا مشن بنایا اور یہ پیش نظر تھا کہ تہذیب مغرب کو قریب سے دیکھا جائے کیونکہ کسی بھی چیز کا تقابل کرنے کے لیے اس کا قریب سے مشاہدہ کرنا حق کے قریب لے جاتا ہے۔

"یونیورسٹی آف مینی سوٹا، میناپولس سٹی (ریاست مینی سوٹا، امریکہ) میں میٹر وظیفہ ملا۔ اسی بنیاد پر انجینئرنگ میں اعلیٰ تعلیم (MS) کے حصول کے لیے امریکہ گئے۔ سفر کے دوران پہلے لندن، پھر مانٹریال (کینیڈا) اور اس کے بعد میناپولس پہنچے"[2]

اسلامی جمعیت طلبہ، جماعت اسلامی میں مختلف ذمہ داریوں پر رہے۔ ترجمان القرآن کے مدیر بھی رہے۔ دسمبر1996 میں وفات پائی۔ ذیل میں ان کی احیائے اسلام کے لیے پیش کی گئے چند نظریات کا جائزہ لیں گے۔

خرم مرادؒ نے صرف تنقید ہی نہیں کی بلکہ تعیری تنقید کے ساتھ ساتھ انہوں نے مسائل کا حل بھی پیش کیا، وہ پاکستان کے تمام مسائل کا تذکرہ کرتے ہیں اور مسائل کے جہنم کے عنوان بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: " آج زندگی گزارنا مشکل ہو گیا ہے بلکہ ایک اذیت ناک عمل بن گیا ہے۔ اور زندگی شدید دکھ اور درد اور پریشانیوں کا بوجھ بن گئی ہے۔"[3] وہ بے مقصد قوم کی حالت پر رنجیدہ نظر آتے ہیں۔ مسائل کا جہنم ہے، اچھی تعلیم عام لوگوں کی دسترس سے باہر ہے۔ دوسری طرف وہ لوگ ہیں جنہیں دنیا کی ہر لذت میسر ہے۔ خرم صاحب لکھتے ہیں کہ: " لوٹ کھسوٹ، رشوت، بددیانتی کا بازار گرم ہے۔ یہاں تک کہ یہی ہمارے وطن عزیز کا کلچر بن گیا ہے اور اس کلچر میں ہم اتنے ترقی یافتہ ہیں کہ

دنیا میں ہمارا شمار تیسرے نمبر پر ہے۔ چند لوگ ہیں جن کے پاس طاقت اور اختیار ہے جنھوں نے اپنے حق سے زیادہ زر اور زمین حاصل کی ہے وہ اپنے جیسے انسانوں کی گردنوں پر سوار ہیں، ان کو کمزور بنا کر ان کے حقوق دبا رہے ہیں۔ پولیس، جسے امن و امان اور انصاف کا نشان ہونا چاہیے، ظلم اور درندگی کا نشان بن گئی ہے، اور اس کے ہاتھوں امن، عزت، مال اور شرف انسانیت تباہ ہیں۔ عدالتوں میں جیبیں خالی کر کرے بھی انصاف نہیں ملتا۔ ماحول روز بروز گندہ ہوتا جا رہا ہے۔ یہاں تک کہ گھر کے اندر رہو یا باہر، دل نگاہ کو پاک رکھنا محال ہے۔ وہ سب لوگ، جو ان خرابیوں کے ذمہ دار ہیں، وہ "تعلیم یافتہ" لوگ ہیں، "روشن خیال" ہیں، "تہذیب یافتہ" اور "با اختیار" شمار ہوتے ہیں۔

یہ سب کیوں ہے؟

اس لیے کہ قوم کے سامنے سمت اور مقصد نہیں، جس کے ساتھ وابستگی اور وفاداری ذاتی اور گروہی وابستگیوں سے غالب آئے۔ جس مقصد کو سامنے رکھ کر یہ ملک بنایا گیا تھا، اسے اس مقصد سے مختلف سمت لے جایا جا رہا ہے۔ چنانچہ اخلاق اور نظم و ضبط کے بندھن ڈھیلے پڑ رہے ہیں۔ اور ہوائے نفس کے علاوہ کوئی معبود نہیں رہ گیا۔"[4]

اس دکھ کو بیان کرنے کے بعد وہ کہتے ہیں کہ: " امت مسلمہ کی حالت بھی کچھ مختلف نہیں، بہترین وسائل کے خزانے ضائع ہو رہے ہیں، یا ثمن قلیل کے عوض فروخت ہو رہے ہیں۔ حکمرانوں اور عوام کے درمیان، عام مسلمانوں کے درمیان، نزاع، تصادم اور خون ریزی نے حیات اجتماعی کو توڑ پھوڑ کر ناکارہ بنا دیا ہے"[4] یہ بات وہ بہت قرب کے ساتھ کہہ رہے ہیں۔ پھر وہ مغربی معاشرے کا دکھ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

> " مغرب کی جن قوموں کو قوت و طاقت، مادی ترقی، ٹیکنالوجی کی برتری، اسباب زندگی کی فراوانی اور سیاسی برتری کی چمک دمک سے ہماری آنکھیں چکا چوند ہو رہی ہیں، ان کی حالت کئی پہلوؤں سے ہم سے بہتر ضرور ہے۔ لیکن ان کے معاشرے کے دکھ درد ہم سے کچھ کم نہیں۔ ان کے راہنما اور دانش ور مسلسل بڑی شدت سے اپنے کرب و اضطراب کا اظہار کرتے ہیں۔"[5]

خرم صاحب اس صدی کو خونی صدی کہتے ہیں اور کہتے ہیں ماحول کی آلودگی، موسمی تبدیلی، جنگلات کا خاتمہ اور زمین کا بنجر ہونا جیسے مسائل اس وقت موجود ہیں۔ وہ عالم گیر فساد کا خدشہ بھی ظاہر کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ انسان نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر کے اللہ کے ساتھ شرک کیا ہے۔ ٹیکنالوجی کی ترقی نے انسان کے احساس کو کچل دیا ہے۔ لیکن ان سارے مسائل کا تذکرہ کرنے کے بعد وہ صرف مسائل کا رونا رو کر بس نہیں کرتے۔ بلکہ اس کے لیے منصوبہ عمل پیش کرتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ:" دکھ درد کے اس جہنم سے، جس میں آج ہم انسان جل رہے ہیں نکلنا اور بچنا بالکل ممکن ہے اور یہ باذن اللہ تمہارے اردارے اور اختیار میں ہے۔ راستہ ایک ہی ہے۔ آسان اور صاف فہم ہم صرف پیدا کرنے والے کو اپنا الٰہ و معبود، اپنا رب اور اپنا حاکم و پادشاہ بنائیں، زندگی کے ہر معاملے میں اس راہ پر چلیں جس پر نبی کریم ﷺ چلے تھے۔ اور زندگی بھر موت کے بعد اس سے ملاقات کی تیاری میں اور اس آگ سے بچ کر اس جنت میں داخل ہونے کی جستجو میں لگے رہیں۔ یہی وہ پیغام اور نسخہ شفا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو دیا تھا۔ اسے انسانوں تک پہنچانا اور اسے عملی جامہ پہنانا، آپ ﷺ کے اوپر، تمام انبیا کی طرح فرض تھا۔ ان کے بعد اس کی ادائیگی ہی امت محمدیہ کا مقصد وجود ہے اور اس ادائیگی ہی پر امت کے اور انسانیت کے انجام کا انحصار ہے۔[6]

اس ادائیگی کو ہر فرد کی ذمہ داری کہا جا سکتا ہے لیکن جہاں عوام الناس اللہ کے احکام اور رسول ﷺ کے طریقے سے نا آشنا ہو وہاں یہ ذمہ داری احیائے اسلام کے لیے کام کرنے والی تحریک کے کارکن کی ہوتی ہے خرم مرادؒ کے مطابق وہ چار باتیں ہیں جن کو ہر احیائے اسلام کی تحریک کر کارکن کو کرنا چاہییں۔ وہ ان تمام مسائل کے لیے اسلامی تحریک کے کارکن کو ذمہ دار سمجھتے ہیں۔ ان کی بتائی گئی ترتیب کا خلاصہ کچھ یوں ہے

1. آپ کی قوت کا اصل خزانہ اخلاص، وابستگی، لگن اور محبت ہے۔ جو آپ کو اللہ، اس کے رسول ﷺ، اور ان کے دین سے ہو جب آپ زندگی میں اللہ اور اس کے کام کو اولین ترجیح دیں، سب سے بڑھ کر محبت آپ کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اللہ راہ میں جہاد سے ہو۔ جو کام کریں صرف اس کی رضا کے لیے کریں، تب اللہ کی نصرت ضرور آپ کے ہم رکاب ہو گی۔
2. احیائے اسلام کے لیے، دوسری چیز یہ ضروری ہے کہ آپ انسانوں کے لیے رحمت، احسان اور

عدل کا نشان بن جائیں۔ کسی کو اپنے قول و فعل سی ایذا نہ پہنچائیں، جس کی جتنی خدمت آپ کے بس میں ہو اسے سے دریغ نہ کریں

3. اللہ کا اور اس کی مخلوق کا آپ کے اوپر سب بڑا حق یہ ہے کہ جو نسخہ شفا اللہ نے آپ کو عطا کیا ہے۔ آپ اسے لوگوں تک پہنچائیں۔ اور اس میں کوئی کوتاہی نہ کریں۔ جس طرح بھوکے کو کھانا کھلانا اور بیمار کو دوا پلانا آپ کا فرض ہے۔ اسی طرح گمراہ ہدایت کو غذا پہنچانا اور اخلاقی و روحانی مریض کو قرآن کی دوا پہنچانا بھی آپ کا فرض ہے۔

4. مسلمان ہر طرح کے ہیں کمزور بھی، قوی بھی، نیک بھی، اور گناہگار بھی۔ لیکن جن کے دل میں اللہ اور رسول ﷺ کی محبت ہے آپ ایسے لوگوں کو تلاش کریں۔ ان کو منظم کریں اور دیے سے دیا جلائیں۔

خرام مرادؒ کے احیائے اسلام میں تعلیمی نظریات

خرم مرادؒ نے اسلام کی سربلندی اور اسلامی نظریہ تعلیم کے فروغ کے لیے بہت سے کوششیں کیں۔ آپ کے نظریات و افکار اور خیالات میں اساتذہ کے ذریعہ لوگوں تک پیغام پہنچانا آسان ہے۔ اسی مقصد کے لیے آپ نے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں خصوصی طور پر کام کیا۔ تعلیم اور دین کی تبلیغ کے لیے بہت سے ادارہ خود سے بھی بنائے۔ انہیں نے اپنی زندگی میں بیک وقت بہت سے اداروں میں کام کیا اور ہر میدان میں صفِ اول میں نظر آئے، کبھی مقرر کی حیثیت سے یا کبھی ادیب کی حیثیت سے، یا کبھی ایک استاد کی حیثیت، یا پھر کبھی اسلامی اسکالر کی حیثیت سے۔

اسلام کا جب آغاز ہوا تو پہلی وحی جو حضرت جبرائیل امین لے کر آئے اور اسی وحی سے غارِ حرا میں جب نور کی پہلی کرن داخل ہوئی تو اس میں جو پیغام تھا وہ علم کے حوالے سے ہی تھا۔ جس میں اللہ سبحان و تعالیٰ نے لفظ "اقراء" سے آغاز کیا۔ تعلیم اور قلم کا احساس دلایا اور دونوں کا تعلق ورشتہ اپنے خالق حقیقی سے جوڑا۔ اسلام نے اپنے ابتدائی ادوار سے ہی تعلیم و تعلم پر بہت زیادہ ضرور دیا اور تعلیمی پالیسی کو ترجیح اول میں رکھا۔ جیسا کہ مکہ میں جب دعوت کا آغاز ہوا تو نبی مہربان ﷺ نے حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر میں اسلام کی پہلا تعلیمی ادارہ قائم کیا۔ جنگ بدر میں جب مسلمان مفتوح ٹھرے اور بہت سے کفار کو جنگی قیدی کے طور پر گرفتار کیا تو ان میں سے چند افراد کو رہائی کی پیشکش کی گئی اور شرط

رکھی گئی کہ جو قیدی لکھنا پڑھنا جانتے ہیں وہ اگر مسلمانوں میں سے کچھ افراد کو اگر سیکھائے تو اس صورت میں آزادی کا پروانہ دیا جاسکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ اس بات پر فخر کا اظہار فرمایا کہ " مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے"۔یہ تعلیمی عمل ہی تھا جس نے اس دنیا میں انقلاب برپا کر دیا اور اسی تعلیم بنا پر انسان کو جانوروں پر فوقیت دی گئی اور اشرف المخلوقات کہا گیا۔

احیاء اسلام کی اس تحریک کو جس نے پوری دنیا میں ایک انقلاب برپا کر دیا اور آج بھی یہ تحریک سرگرم عمل ہے۔اسلام نے اپنے احیاء کے لیے دنیا کے ہر محاذ پر بھرپور طریقے سے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔یہ مقابلہ آج بھی بہت سے محاذوں پر چل رہا ہے۔ایک مغربی مصنف جس نے اسلام کی اس تحریک کو متحارب اسلام(Militant Islam) سے مخاطب کیا ہے۔موجودہ دور میں اسلامی فکر اور نظریہ کی پنیری لگنے کا آغاز سکول و کالجز سے ہو جاتا ہے اور یہی وہ میدان ہے جہاں بچے کی سوچ پیدا ہوتی ہے۔اور یہی وہ میدان ہے جہاں سے اسے اپنی فکر اور اپنی روح کی بازیابی کا معرکہ درپیش ہے۔کیونکہ یہ محاذ ایک جنگ سے بھی زیادہ خطرناک ہوتا ہے کیونکہ اس سے نئی نسل کی فکر اور سوچ کو اس قدر تبدیل کر دیا جاتا ہے کہ وہ اپنی اصل شناخت کو اس قدر فراموش کر دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے نظریہ،اپنی فکر اور اپنی پہچان سے دستبردار ہو جاتا ہے۔[7]

یہی احیائے اسلام کی جدوجہد میں نظام تعلیم کے محاذ کی وہ اہمیت جو غیروں کی نگاہ سے بھی اوجھل نہیں،لہذا اس محاذ کا مقابلہ ہر سطح پر کیا جانا بہت ہی ضروری ہی نہیں بلکہ فرض عین ہیں،لہذا اس فرض کو نبھاتے ہوئے خرم مرادؒ کی بے شمار کاوششیں ہیں جن کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

مغربی مفکرین کو بخوبی اندازہ تھا کہ جب تک مسلمانوں کا تعلق ان کے دین کے علم کے مضبوط رہا،وہ کسی صورت بھی اس بنیا کے اندر اپنی کامیابی کے جھنڈے نہیں گاڑ سکیں گے،لہذا کوئی ایسا منصوبہ مرتب کیا جائے جو مسلمانوں کے اس تعلق کو کمزور کر دے۔لہذا انہوں نے جدیدیت کا نعرہ بلند کرتے ہوئے اپنے نظریات وافکار کو مسلمانوں کے اذہان و قلوب میں پیوست کرنے کے لیے اپنا تعلیمی منصوبہ پیش کیا۔

اگر مغرب کی اس حملہ کی تاثیر اور کارگری کا اندازہ لگایا جائے تو خرم مرادؒ نے کے مطابق یہ باتیں اخذ کی جاسکتی ہیں:۔

1. "یہ تعلیمی میدان ہی تھا جہاں مغرب نے اپنی جڑیں اس قدر مضبوط کر لی تھی کہ ان کے چلے جانے کے بعد آج بھی ان کی فکر اور تہذیب کا اس قدر غلبہ موجود ہے کہ جس نے ہماری نئی نسل کو ع اس حد ناکارہ بنانے کی کوشش کی کہ وہ اپنی سوچ اور نظریہ کو بالکل فراموش کر دیا۔ مسلمانوں کے اپنے عقائد، تصورات، خیالات، اقدار و روایات اور تہذیب و ثقافت کا نظام درہم برہم ہو کر رہ گیا، اور اس قدر کمزور ہو گیا کہ ان کی بنیادیں اور جڑیں کھوکھلی ہوتی گئی جس سے ایک روحانی، نظریاتی اور ثقافتی خلاء پیدا ہوا۔ ادھر قوم پرستی مسلمانوں کا دین ٹھرا۔ لادینیت اس کا شعار پائی۔ معاشی خوشحالی مقصدِ حیات بنی۔ ٹیکنالوجی کی جستجو حاصلِ زندگی بنی۔ جو الہامی ہدایات کا امین اور وارث تھا، اس نے اپنی زندگی کی شاہراہ پر خدا سے بے نیازی، مذہب سے بیزاری، انسان کی بالاتری، خود کفالتی کی روشنی میں سفر شروع کر دیا اور آگے بڑھ کر ہر اس بات پر لبیک کہا جس کی طرف اس کو مغرب نے دعوت دی۔"[8]

2. "مغربی نظام تعلیم نے مسلمانوں کی روح کو پھاڑ دیا اور اس کی انفرادی و اجتماعی شخصیت کو بکھیر دیا، منتشر کر دیا۔ یہ حملہ اس قدر شاندار تھا کہ جس نے مسلمانوں اپنی تہذیب، اپنی رویات، اپنی تاریخ اور اپنادر خشندہ ماضی تھی اور وہ محبت جو اسے دین کی محبت اور رسول اللہ ﷺ کی شفقت سے نصیب ہوئی۔ اس کی وہ جڑیں جو اسلام میں پیوست تھیں، اس کی وہ امنگیں اور خواہشات تھے جن کا محور و مرکز اسلام تھا۔ لیکن مغرب کی سوچ نے اس قدر حملہ کیا تھا اپنی تعلیمات و افکار مسلمان اقوام کو پرانے لگنے لگے اور مغرب کی چکاچوند کر دیں۔ اور وہ مغرب کی آلائشوں میں گرفتار ہو گیا۔"[9]

3. "مغربی تعلیم کے تسلط سے پہلے ہماری اپنی تعلیم و تہذیب کا اس قدر طوطی بولتا تھا کہ ہر طرف اسی کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اور مسلمان اقوام ترقی کی منزل تیزی سے طے کر رہی تھیں۔ لیکن مغرب نے مسلمانوں کو کمزور کرنے کے لیے سب سے پہلے اس کی تہذیب، افکار اور تعلیم پر حملہ کیا۔ مغرب نے ہمارے تعلیمی نظام جو روایتی بنادوں سے مزین تھا اس کو

مسلسل ختم کرنے کے لیے کوششیں کرنے لگا۔ اپنا اس کے مقابلہ میں اپنے جدید نظام تعلیم کو
لے کر آنے کے بجائے فرسودہ نظامِ تعلیم کا نفاذ کیا۔ اور مقامی زبان کے بجائے اپنی زبان میں
نظام تعلیم کو فروغ دیا۔'[10]

ان باتوں کا تذکرہ کرنے کے بعد خرم مرادؒ عصر حاضر کے چیلنج پر بات کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"یہ ہے مغرب کے تعلیمی نظام کا پس منظر، جس میں امت مسلمہ اپنی
تاریخ کے عظیم چیلنج سے دوچار ہے۔"[11]

خرم مرادؒ آج کے دور کو احیائے اسلام کا دور کہتے ہیں اور پھر اسلامی نظام تعلیم کی خصوصیات کا تذکرہ کرتے ہیں۔ منصوبہ عمل سے پہلے ان خصوصیات کا تذکرہ ضروری ہے جس کو خرم مرادؒ نے اسلامی نظام تعلیم کی خصوصیات کے ضمن میں تحریر کیا ہے۔

اس تعلیمی محاذ کو سمجھنے کے ضروری ہے کہ سب سے پہلے ہمیں اسلامی نظامِ
تعلیم اور اس کی خصوصیات کا علم ہونا ضروری ہے تاکہ اگر ہم دونوں نظامِ
تعلیم کا تقابل کریں تو ہمیں اس کو پوری طرح سمجھنے اور جائزہ لینے میں کوئی
دقت پیش نہ آئے۔

پہلی بات یہ کہ اسلام میں غارِ حرا کی پہلی وحی سے لے کر نبوت اور رسالت کے فرائض کے تعین تک ہر جگہ تعلیم اور تزکیہ کو سب سے زیادہ اہم قرار دیا گیا تھا۔ ظاہر ہے یہ تعلیم صرف اس بات تک محدود نہ تھی کہ انسان کو صرف چند معاملات پر تعلیم فراہم کر دی جائے بلکہ اس تعلیم کا سب سے اہم اور بنیادی مقصد یہ تھا کہ اسلام میں ہمیشہ تعلیم کی بنیادی مقصد بھی یہی رہا کہ انسان کو اپنی آرزو اور تمنا پیدا ہو اور اسی کی مناسب سے تعمیر شخصیت ہو۔ جو نظامِ تعلیم انسان کا رشتہ، عبودیت اپنے خالق سے نہ جوڑے اسے رسالت کے تابع نہ بنائے، اس میں آخرت کے حوالہ سے جوابدہی کا احساس پیدا نہ کرے۔ اس کا تعلق دوسرے انسان عدل کی بنیاد پر قائم نہ ہو، تو وہ کسی طور پر بھی اسلامی نظام تعلیم کے معیار پر پورا نہیں اترتا۔

دوسری بات یہ کہ اسلامی نظام تعلیم نے کبھی زندگی کو تقسیم نہیں کیا اور نہ ہی زندگی کو کبھی دو یا دو سے زیادہ حصوں میں بٹنے دیا، بلکہ ہمیشہ اسے وحدت کا دائرے سے باندھا۔ روح، فکر، اخلاق، عمل، ٹیکنالوجی سب تفرقے اور انتشار کے بجائے ایک مرکز کے گرد ایک رشتہ، وحدت میں منسلک رہے، اسی طرح اس کبھی دین و دنیا کی تفریق بھی نہیں رہی۔

تیسری بات یہ کہ اس نظامِ تعلیم میں اقدار و تہذیب کو ہمیشہ بالاتری حاصل رہی ہے اور ٹیکنالوجی اور سائنس نے اعلیٰ اخلاق، ایمانی اور روحانی اقدار کی بالادستی کو قبول بھی فرمایا ہے۔

چوتھی بات یہ کہ علم کو ذریعہ معاش کے ساتھ کبھی نہیں باندھا گیا۔ یہ لعنت ہمیں مغرب اور اس کی تہذیب سے ورثے میں ملی ہے جہاں تعلیم کا حصول منتہا معاش بن کر وہ گیا ہے۔ اسلام میں علم، علم کی خاطر ہی ہے۔ علم تعمیر شخصیت اور تصحیح افکار کی خاطر ہے۔ علم خود آگاہی کی خاطر ہے۔ علم مقصدِ زندگی اور آرزوئے دل کی خاطر ہے۔ علم روح کی پاکیزگی، اخلاق کی بلندی اور کردار کی اعلیٰ تعمیر کا نام ہے۔ صرف وسیلہ معاش کا ذریعہ ہی نہیں ہے۔

پانچویں بات یہ کہ روح اور اخلاقی اقدار کی بالادستی کے باوجود تسخیر کائنات اور کارِ دنیا بہترین طریقے سے انجام دینے کی اقدار بھی، پوری شدت کے ساتھ فکر و مزاج کا حصہ رہی ہیں۔

چھٹی بات یہ کہ اسلام میں تعلیم ایک ایسی نعمت رہی ہے جو ہمیشہ مفت حاصل ہوئی۔ ہمارے ہاں ہر طرح کے حکمران رہے ظالم بھی اور نیک فطرت بھی، ہمارے تنزل اور انحطاط کے ادوار بھی آئے۔ ہم اقتصادی طور پر خستہ حال بھی رہے ہیں۔ لیکن ہم نے یہ کبھی نہیں سوچا تھا کہ تعلیم بھی ایک ایسی چیز ہے جس کی فراہمی کے لیے پیسہ لیا جا سکتا ہے۔ جس کے لیے فیس وصول کی جا سکتی ہے۔

یہ وہ خصوصیات ہیں جو تعلیمی میدان میں ہمارا شعار رہی، ہماری پہچان بن کر ابھری اور ان کو سامنے رکھ کر میں اپنے اساتذہ بھائیوں اور بہنوں سے وہ باتیں کہنا چاہتا ہوں، جو علم، شاگرد اور تعلیم کے ناطے، ان سے فکر و علم کے طالب ہیں۔"[13]

اب وہ اس حوالے سے منصوبہ پیش کرتے ہیں تو یوں لکھتے ہیں:

"آج کا یہ دور احیائے اسلام کا دور ہے۔ یہ اس تحریک کا دور ہے جو تحریک اسلامی کے نام سے دنیا بھر میں معروف ہے اور جو آپ ہر جگہ اور زندگی کے دائرے میں پیش رفت کرنے کی جدوجہد کر رہی ہے۔ اس پیش قدمی میں ہر مقام پر اور ہر دائرے میں وہ کشمکش سے دوچار ہے۔ اس کو اہم اور نازک مسائل کا سامنا ہے۔ کہیں اس کو عزیمت بھی اٹھانا پڑتی ہے۔ کہیں وہ فتح سے ہم کنار ہوتی ہے۔ بہر حال اب یہ ایک ایسی رو جو کسی کے مٹائے مٹ نہیں سکتی اور جس سے کوئی آنکھوں کا اندھا ہی صرف نظر کر سکتا ہے۔"[13]

خرم مرادؒ پھر کہتے ہیں کہ:

"حقیقت یہ ہے کہ اس تحریک کے لیے، اس پیغام کے لیے اور اس کی روشنی کے لیے دنیا تڑپ رہی ہے جو مسلمانوں کے پاس ہے۔"[14]

اب اس کے لیے منصوبہ عمل یہ ہے کہ:

"اگر مسلمان ایک دفعہ پھر تلاوت آیات، تعلیم کتاب و حکمت اور تزکیہ و تربیت کے ذریعے، اس روشنی سے اپنی زندگی اجاگر کر لے تو پھر دنیا اس کے پیچھے اس طرح دوڑتی چلی آئے گی۔ شہر اس کے لیے اپنے دروازے اس طرح کھول دیں گے اور انسانوں کے دل اس کے لیے مسخر ہو جائیں گے جس طرح کہ آج سے چودہ سو سال پہلے ہوئے تھے۔"[15]

یہاں وہ اس معاملے میں استاد کی ذمہ داری کا تذکرہ کرتے ہیں اور مکمل منصوبہ پیش کرتے ہیں۔

کسی بھی معاشرے کی ترقی کا ضامن اس کے تعلیمی اور تربیتی نظام ہوتا ہے۔ وہی معاشرہ ہمیشہ ہی پروان چڑھتا ہے جس میں معلم اور متعلم دونوں کی ضروریات کا خیال اور ان کی مناسب تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا جائے۔ استاد معاشرے کے ان معماروں کی تربیت کا ایک اہم جزو سمجھا جاتا ہے جس کے بغیر تربیتی نظام مکمل ہو نہیں سکتا۔

خرم مرادؒ نے استاد اور شاگرد کی اہمیت اور ان کا آپس میں تعلق کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"استاد اور شاگرد کے مابین جو اہم بات سب سے پہلے ہے وہ یہ کہ استاد کا اپنے شاگردوں کے ساتھ تعلق گہرا اور مضبوط ہونا چاہیے، کیونکہ استاد کبھی بھی اپنے شاگرد کو اس راہ پر نہیں ڈھال سکتا جو کہ اس کا مقصدِ زندگی ہے۔ یہ ذاتی تعلق اس کی تعلیم و تربیت کے لیے نہایت ضروری اور اہم ہے اور اسی کے ذریعہ ہی وہ اس کی علمی ترقی کا باعث بن سکتا ہے۔ اسلام میں بھی استاد اور شاگرد کا تعلق ہمیشہ بہت اہم رہا ہے۔ خلیفہ دوئم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے پاس بیک وقت چار ہزار طلباء کا مجمع ہوا کرتا تھا، جو کہ قرآن کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ ہر طالب علم پر خصوصی توجہ اور نگاہ رکھتے تھے۔"[16]

استاد کا کام صرف لیکچرز کو دینا ہی کافی نہیں ہوتا بلکہ اپنے شاگرد کی نظری، فکری اور تعلیمی تعلیم و تربیت پر خصوصی نظریں مذکور کرتا ہے۔ مگر افسوس آج ہمارے معاشرے میں استاد کا ایسا رویہ دیکھنے میں بہت کم ملتا تھا، جبکہ اس سے پہلے مسلم معاشرے میں استاد اور شاگرد کا تعلق ہمیشہ سے مثالی رہا ہے۔

دوسری قدر جو کہ استاد اور شاگرد کے تعلق میں نہایت اہم، ضروری اور بیش قیمت تصور کی جا سکتی ہے وہ وہ ہے "دنیا سے بے نیازی"۔ اس کے بغیر عالم اسلام اور ملک پاکستان کبھی بھی ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہو سکتا۔ پس دنیا استاد کے شاگرد کی مملکت اور کل کائنات ہوتی ہے، اور یہی اس کا میدان عمل بھی۔ پس اسی میدان عمل میں اس نے اپنی دنیا قائم کرنی ہے، اسلام کے غلبہ کے لیے جستجو کرنی ہے۔ اور یہی پر اسے اسلام نافذ کرنا ہے۔

کسی بھی قوم کی تعلیم و تربیت کا دارومدار اس کے نصابی کتب و سرگرمیوں پر ہوتا ہے۔ نصابی کتب کا معاملہ تعلیم و تربیت میں بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اگر نصابی کتب ہمارے اپنے نظریات و افکار اور روایات کی بنیاد پر مرتب کیجیے تو اس سے معاشرے میں ایک اچھا تاثر اور نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں۔ ہم لوگ بحیثیت مسلمان ایک طویل عرصے سے ایک اسلامی تعلیم نظام کی بات چیت تو کرتے آ رہے ہیں، اس حوالے سے سینکڑوں سیمینار بھی کروائے گئے مگر عملی طور پر اس حوالے سے کوئی بھی پیشرفت ابھی تک سامنے نہ آ سکی۔

آج اگر ہم اپنے اداروں میں اسلامی نظام تعلیم کو لاگو کرنے پر اصرار تو کرتے ہیں، مگر عملی بنیادوں میں ان کو قائل کرنے کی جسارت نہیں رکھتے کیونکہ اس کی سب سے اہم وجہ ہمارا اپنا ابھی تک کوئی عملی کام نظر نہیں آتا۔ جب تک ہم خود ایک ایسا نظام تعلیم مرتب نہیں کر لیتے، جس کو بنیاد بنا کر ہم کسی کو بھی قائل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہو، اس وقت تک تمام تر کوششیں رائیگاں ہو سکتی ہیں۔ لہذا عملی طور پر ایسے اقدامات کیے جائے جو اسلامی نظام تعلیم کی بنیاد رکھنے میں آسانیاں پیدا کر سکیں۔

اس دور کے اندر جہاں یورپ کو اپنی مادی ترقی پر بڑا ناز ہے، اسی طرح کسی دور میں اسلامی مملکت بھی نئے نئے علوم وفنون کا مرکز و محور رہی ہے۔ اس دور میں بہت سے نامی گرامی مسلمان سائنسدانوں نے اپنی علمی و تخلیقی قوت کا ڈھنکا بجوایا، جس کی شہرت کا طوطی دنیا کے تمام بڑے ممالک بجتا تھا۔ بو علی سینا، ابن الہیثم، رازی، البیرونی اور اسی طرح سینکڑوں اور ایسے سائنس دان تھے جنہوں نے بے شمار ایجادات کی بنیاد رکھی۔

مگر افسوس اس وقت امت مسلم اپنی سابقہ روایات و تاریخ کو مکمل طور پر فراموش کر چکی۔ وہ جہاں عملی طور پر انگریز تہذیب کے غلام ٹھہرے وہی ذہنی وفکری طور پر بھی انہی کے غلام بن کر رہ گئے۔ انہی کے دیے گئے نظام تعلیم پر آج ہمارے ادارے ذہنی وجسمانی غلام پیدا کر رہے ہیں۔ کسی بھی ادارے میں کوئی بھی تخلیقی کام دیکھنے کو بھی نظر نہیں آتا۔ طلباء صرف اسی چیز کو اپنا نصاب تعلیم تصور کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جو کہ مغرب کی طرف سے مسلط کردہ ہے۔

"لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم ایک ایسا نظام تعلیم مرتب کرے جو کہ
ہماری ماسابقہ روایات و تاریخ کا امین ہو۔ اور ایسے ہی تخلیقی قسم کے افراد کو
پیدا کرے جس کی بنا پر امت مسلمہ مکمل طور پر آزاد ہو سکے۔"[17]

طلباء وطالبات اور عام عوام الناس کا تعلق قرآن سے جوڑنے اور مضبوط بنانے کا واحد ذریعہ یہی ہے کہ انہوں قرآن کی حقیقی تعلیمات سے آشنا کیا جائے۔ اور انہوں بتایا جائے کہ یہی ان کی زندگی کا دستور ہے اور یہی ہی منشور ہے، جس کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے اپنی زندگی کو گزارنا ہے۔

لہذا یہ کام اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے جب فہم قرآن کی با قاعدہ کلاسیس کا اہتمام کیا جائے۔ لوگوں کو مناسب حد عربی دانی پر بھی عبور حاصل کرنے کی صلاحیت پیدا کی جائے۔ ان کے لیے با قاعدہ طور پر فہم قرآن کورسسز کا اجرا کیا جائے۔

دینی و مذہبی دینی تعلیم کی ترویج و اشاعت کے حوالے سے جدید طرز کے اداروں کا قیام عمل میں لایا جائے۔ اور ہر ممکن کوشش کی جائے کہ جدید تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے وہاں تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا جائے۔ طلبہ و طالبات کی الگ الگ کلاسسز کا اہتمام کیا جائے اور ان کے اندر چھپی ہوئی فکری، تحریر اور تقریر صلاحیت کو اجاگر کیا جائے۔

خرم مراد مرحوم کے احیائے اسلام میں معاشی نظریات

کسی بھی قوم یا ملک کی ترقی کا انحصار ان کی معاشی و معاشرتی پالیسیوں پر منحصر ہوتا ہے۔ اگر ان کی معاشرتی اقدار اور معاشی اصطلاحات منظم اور مضبوط بنیادوں پر استوار ہو تو وہ اقوام ہمیشہ کامیاب و کامران ٹھرتی ہیں۔ خرم مرادؒ نے امت مسلمہ خاص طور پر ملک پاکستان کے لیے جہاں مذہبی اور علمی لحاظ سے اصلاح کا اہتمام کیا، وہاں معاشی اور معاشرتی اصلاح کا بیڑا بھی اٹھایا۔ ان کی مکمل تعلیم و تربیت کا ایک ڈھانچہ پیش کیا۔ ان کے اصول و ضوابط مرتب کیے۔

اولین چیز جو معیشت کے معاملے میں اسلام کے پیش نظر ہے وہ یہ ہے کہ انسان کی آزادی کو محفوظ رکھا جائے اور صرف اس حد تک اس پر پابندی عائد کی جائے جس حد تک نوع انسانی کی فلاح و بہبود کے لیے ناگزیر ہے، اسلام انسان کی آزادی کو بہت بڑی اہمیت دیتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام میں ہر ہر شخص اپنی انفرادی حیثیت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہے، یہ جواب دہی مشترک نہیں ہے بلکہ ہر شخص فرداً فرداً ذمہ دار ہے اور اس کو فرداً فرداً اپنے اعمال کا جواب دینا ہے اس جوابدہی کے لیے ضروری ہے کہ اپنے انتخاب کے مطابق کرنے کا زیادہ سے زیادہ موقع دیا جائے اس لیے اسلام افراد کے لیے اخلاقی اور سیاسی آزادی کے ساتھ ان کی معاشی آزادی کو بھی اہمیت دیتا ہے اگر افراد کو معاشی آزادی حاصل نہ ہو تو ان کی اخلاقی اور سیاسی آزادی بھی ختم ہو جاتی ہے۔ آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ جو آدمی اپنی معاش کے معاملے میں کسی دوسرے شخص یا ادارے یا حکومت کا دست نگر ہو وہ اگر اپنی کوئی آزادانہ رائے رکھتا بھی ہو تو وہ اپنی اس رائے پر عمل کرنے میں آزاد نہیں ہو سکتا، اس لیے اسلام معاشی نظام کے لیے ہم کو ایسے اصول دیتا ہے جن سے فرد

کے لیے اپنی روزی کمانے کیک معاملے میں زیادہ سے زیادہ آزادی موجود رہے اور اس پر صرف اتنی پابندی عائد کی جائے جتنی حقیقت میں انسانی فلاح وبہبود کے لیے ضروری ہے اسی لیے اسلام سیاسی نظام بھی ایسا چاہتا ہے جس میں حکومت لوگوں کی آزاد مرضی سے بنے، لوگ اپنی مرضی سے اس کو بدلنے پر قادر ہوں، لوگوں کے، یاان کے معتمد علیہ نمائندوں کے مشورے سے اس کا نظام چلایا جائے، لوگوں کو اس میں تنقید اور اظہار رائے کی پوری آزادی حاصل ہو، اور حکومت کو غیر محدود اختیارات حاصل نہ ہوں بلکہ وہ ان کے حدود کے اندر ہی رہ کر کام کرنے کی مجاز ہو جو قرآن وسنت کے بالاتر قانون نے اس کے لیے مقرر کر دیے ہیں اس کے علاوہ اسلام میں خدا کی طرف سے لوگوں کے بنیادی حقوق مستقل طور پر مقرر کر دیے گئے ہیں جنہیں سلب کرنے کا کسی کو اختیار نہیں ہے، یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ افراد کی آزادی محفوظ رہے اور کوئی ایسا جابرانہ نظام مسلط نہ ہونے پائے جس میں انسانی شخصیت کا ارتقاء ٹھٹھر کر رہ جائے۔

اسلام اپنے پیروؤں کو دولت کمانے کا عام لائسنس نہیں دیتا بلکہ کمائی کے طریقوں میں اجتماعی مفاد کے لحاظ سے جائز اور ناجائز کا امتیاز قائم کرتا ہے۔ یہ امتیاز اس قاعدہ کلیہ پر مبنی ہے کہ دولت حاصل کرنے کے تمام وہ طریقے ناجائز ہیں جن میں ایک شخص کا فائدہ دوسرے شخص یا اشخاص کے نقصان پر مبنی ہو' اور ہر وہ طریقہ جائز ہے جس میں فوائد کا مبادلہ اشخاص متعلقہ کے درمیان منصفانہ طور پر ہو۔

معیشت ایک ایسا موضوع ہے، جو کہ خرم مرادؒ صاحب کے لٹریچر میں ترجیحی بنیادوں پر سرفہرست ہے۔ ملک پاکستان جو کہ خرم مرادؒ کی حیات میں ہی قیام عمل میں آیا اور اس دوران ملک وقوم کی ترقی کے لیے نئی نئی پالیسیوں کا اجراء کیا جارہا تھا۔ آج بھی معاشی ترقی کا یہ عالم ہے کہ عام آدمی کی کمر گردانی کے بوجھ سے ٹوٹی جارہی ہے۔، لوگ بے روزگاری سے مرے جارہے ہیں، بیرونی تجارت کا میزانیہ دن بدن خسارے کی طرف بڑھ رہا ہے، قوم کا بال بال قرض میں جکڑا ہوا ہے، تقریباً ملک کا آدھا بجٹ قرض کی ادائیگیوں میں صرف کر دیا جاتا ہے۔ ملک کی ترقی کا پہیہ جام ہے، ترقی کی شرح زمانے کی رفتار سے بہت کم ہے۔ پاکستان میں کسی بھی حکومت نے ایسے اقدامات سے گریز کیا جس سے ملک کو اس مشکل ترین صورت حال سے نکالا جا سکتا تھا۔

ملک پاکستان جب معرض وجود میں آیا تو اس وقت وہ خوراک کے حوالے سے خود کفیل تھا۔ مگر اب ہم عرصہ دراز سے غلہ کے دانے دانے کے لیے باہر کی مقتدر قوتوں کے محتاج ہیں۔ اور اس دانے کی خاطر ہم ان کے دام میں بھی

گرفتار ہیں۔ اس وقت بھی کسان ہماری آبادی کے تناسب کا ستر فیصد حصہ ہے۔ ان کی فلاح و بہبود کے لیے اس ملک کے حکمرانوں نے کچھ نہیں کیا۔ ان کے پاس نہ تعلیم کا کوئی منظم انتظام موجود ہے اور نہ ہی صاف پانی و بجلی کی سہولیات اور نہ ہی پختہ سڑکیں اور نہ ہی انسانوں کے رہنے کے لائق مکان۔[18]

خرم مرادؒ اپنی کتاب "رزق حلال" میں لکھتے ہیں:

"اچھے اخلاق میں ایک بڑی صفت رزق حلال ہے۔ اس کا اثر پوری زندگی پر پڑتا ہے۔ زندگی بھی متاثر ہوتی ہے اور آخرت کا انجام بھی۔ جب حلال رزق کی بجائے حرام رزق پہنچنا شروع ہو جائے تو زندگی کے اندر فساد پیدا ہو جاتا ہے، معاشرہ بگڑتا ہے، دعائیں قبول نہیں ہوتیں اور نیک اعمال بھی فائدہ نہیں پہنچاتے۔"[19]

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اسی لئے پیدا کیا کہ یہ اس کی عبادت کرے اس کی بندگی بجالائے اور اس کے لئے اپنے پسندیدہ دین میں نظام معیشت بھی ایسا شروع کر دیا جو اس کے مقصد تخلیق سے موافقت رکھتا ہے اور مکمل طور پر اس سے ہم آہنگ ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

" يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ"[20]

"اے اہل ایمان جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تم کو عطا فرمائی ہیں ان کو کھاؤ اور اللہ کا شکر بجالاؤ اگر تم حقیقت میں اسی کی بندگی کرتے ہو۔"

یہ اس لئے بھی ضروری تھا کہ انسان کے کردار کا اس کی خوراک سے بہت گہرا تعلق ہے۔ تمام ذہنی اور جسمانی صلاحیتیں اور قوتیں غذا سے بنتی اور پنپتی ہیں اگر غذا درست ہو گی تو عمل صالح ہو گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا[21]

"اے گروہ رسولاں! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو،"۔

اپنی ضروریات پر خرچ کرنے اور راہ خدا میں دینے اور زکوۃ ادا کرنے کے بعد بھی جو دولت کسی ایک جگہ سمٹ کر رہ گئی ہو، اس کو پھیلانے کے لیے پھر ایک تدبیر اسلام نے اختیار کی ہے اور وہ اس کا قانون وراثت ہے۔ اس قانون کا منشا یہ ہے کہ جو شخص مال چھوڑ کر مر جائے، خواہ وہ زیادہ ہو یا کم، اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے نزدیک و دور کے تمام رشتہ داروں میں درجہ بدرجہ پھیلا دیا جائے۔ اور اگر کسی کا کوئی وارث نہ ہو یا نہ ملے تو بجائے اس کے کہ اسے متبنیٰ بنانے کا حق دیا جائے، اس کے مال کو مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کر دینا چاہیے تاکہ اس سے پوری قوم فائدہ اٹھائے۔ تقسیم وراثت کا یہ قانون جیسا اسلام میں پایا جاتا ہے، کسی اور معاشی نظام میں نہیں پایا جاتا۔ دوسرے معاشی نظاموں کا میلان اس طرف ہے کہ جو دولت ایک شخص نے سمیٹ کر جمع کی ہے وہ اس کے بعد بھی ایک یا چند خاص اشخاص کے پاس سمٹی رہے۔ مگر اسلام دولت کے سمٹنے کو پسند ہی نہیں کرتا۔ وہ اس کو پھیلانا چاہتا ہے تاکہ دولت کی گردش میں آسانی ہو۔[22]

اسلام میں ایک اہم حکم یہ ہے کہ جائز طریقوں سے جو دولت کمائی جائے اس کو جمع نہ کیا جائے، کیونکہ اس سے دولت کی گردش رک جاتی ہے، اور تقسیم دولت میں توازن برقرار نہیں رہتا۔ دولت سمیٹ سمیٹ کر جمع کرنے والا نہ صرف خود بدترین اخلاقی امراض میں مبتلا ہوتا ہے بلکہ درحقیقت وہ پوری جماعت کے خلاف ایک شدید جرم کا ارتکاب کرتا ہے، اور اس کا نتیجہ آخر کار خود اس کے اپنے لیے بھی برا ہے۔ اسی لیے قرآن مجید بخل اور قارونیت کا سخت مخالف ہے۔ وہ کہتا ہے:۔

> وَلاَيَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَهُمْ بَلْ هُوَشَرٌّ لَهُمْ [23]
>
> "جو لوگ اللہ کے دیے ہوئے فضل میں بخل کرتے ہیں وہ یہ گمان نہ کریں کہ یہ فعل ان کے لیے اچھا ہے، بلکہ درحقیقت یہ ان کے لیے برا ہے۔"
>
> "وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلاَيُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ"[24]
>
> "اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو عذاب الیم کی خبر دے دو۔"

یہ چیز سرمایہ داری کی بنیاد پر ضرب لگاتی ہے بچت کو جمع کرنا اور جمع شدہ دولت کو مزید دولت پیدا کرنے میں لگانا' یہی دراصل سرمایہ داری کی جڑ ہے۔ مگر اسلام سرے سے اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ آدمی اپنی ضرورت سے زائد دولت کو جمع کر کے رکھے۔

پھر اسلام دولت پر جماعت کے حقوق عائد کرتا ہے اور مختلف طریقوں سے کرتا ہے قرآن مجید میں آپ دیکھیں گے کہ ذوی القربیٰ کے حقوق بیان کیے گئے ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک آدمی کی کمائی پر اس کی اپنی ذات کے سوا اس کے رشتے داروں کا حق بھی ہے، معاشرے کے اندر ایک ایک آدمی کی یہ ذمہ داری ہے کہ اگر وہ اپنی ضرورت سے زائد دولت رکھتا ہے اور اس کے اپنے رشتہ داروں میں ایسے لوگ ہیں جن کو ضرورت سے کم دولت مل رہی ہے تو اس شخص کے اوپر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اپنی استطاعت کی حد تک ان کی مدد کرے، کسی قوم میں ایک ایک خاندان کے لوگ اپنی اس ذمہ داری کو محسوس کریں تو بحیثیت مجموعی قوم کے بیشتر خاندانوں کو سنبھالنے کا انتظام ہو سکتا ہے اور کم ہی خاندان ایسے باقی رہ سکتے ہیں جو بیرونی امداد کے محتاج ہوں اسی لیے آپ دیکھیں گے کہ قرآن مجید حقوق العباد میں سب سے پہلے ماں، باپ اور رشتے داروں کے حق کا ذکر کرتا ہے اسی طرح قرآن مجید آدمی کی دولت پر اس کے ہمسایوں کا حق بھی عائد کرتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر محلے، ہر گلی اور ہر کوچے میں جو لوگ نسبتاً خوش حال ہوں وہ ان لوگوں کو سنبھالیں جو اسی محلے اور گلی اور کوچے میں نسبتاً بدحال اور دست گیری کے محتاج پائے جاتے ہوں۔[25]

> "ان دو ذمہ داریوں کے بعد قرآن مجید ہر کھاتے پیتے آدمی پر یہ ذمہ داری بھی ڈالتا ہے کہ وہ اپنی حد وسع تک ہر اس شخص کی مدد کرے جو مدد مانگے یا مدد کا محتاج ہو القرآن" لوگوں کے مالوں میں حق ہے سائل کا اور محروم کا" سائل وہ ہے جو آپ کے پاس مدد مانگنے کے لیے آتا ہے، اس سے مراد یہ پیشہ ور بھیک منگے نہیں ہیں جنھوں نے بھیک کو ہی وسیلہ معاش بنا رکھا ہے، بلکہ اس سے مراد یہ پیشہ ور بھیک منگے نہیں ہیں جنھوں نے بھیک کو ہی وسیلہ معاش بنا رکھا ہے، بلکہ اس سے مراد ایسا شخص ہے جو واقعی حاجت مند ہو اور آپ سے آکر درخواست کرے کہ آپ اس کی مدد کریں، آپ

یہ اطمینان ضرور کرلیں کہ یہ واقعی حاجت مند ہے لیکن اگر معلوم ہو جائے
کہ وہ حاجت مند ہے، اور آپ اپنی ضرورت سے زائد روپیہ بھی رکھتے ہیں
جس سے اس کی مدد کرنا آپ کے لیے ممکن ہے، تو پھر آپ کو جاننا چاہیے کہ
آپ کے مال میں اس کا بھی حق ہے، رہا محروم تو اس سے مراد وہ شخص ہے
جو آپ کے پاس مدد مانگنے کے لیے تو نہیں آتا مگر آپ کو معلوم ہے کہ وہ
اپنا رزق پانے سے یا پوری طرح پانے سے محروم رہ گیا ہے یہ شخص بھی آپ
کے مال میں حقدار ہے۔"[26]

ان حقوق کے علاوہ اسلام نے مسلمانوں کو انفاق فی سبیل اللہ کا عام حکم دے کر پورے معاشرے اور ریاست کا حق بھی ان کے مالوں میں قائم کر دیا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان کو ایک فیاض، فراخ دل، حساس اور ہمدردِ خلائق ہستی ہونا چاہیے، اور اس کو کسی خود غرضانہ جذبے سے نہیں بلکہ محض اللہ کی خوشنودی کے لیے بھلائی کے ہر کام میں، دین اور معاشرے کی ہر ضرورت کو پورا کرنے میں کھلے دل سے اپنی دولت خرچ کرنی چاہیے، یہ ایک زبردست اخلاقی روح ہے جسے اسلام اپنی تعلیم اور تربیت سے اور اسلامی معاشرے کے اجتماعی ماحول سے ہر فرد مسلم میں پیدا کرتا ہے تاکہ وہ کسی جبر سے نہیں بلکہ اپنے دل کی رضا سے اجتماعی فلاح میں مددگار ہو۔

حوالہ جات و حواشی

[1]۔ سلیم منصور خالد، حیات و خدمات، منشورات منصورہ ملتان روڈ لاہور، جنوری1998، ص17

[2]۔ سلیم منصور خالد، خرم مراد حیات و خدمات، ماہنامہ آئین اکتوبر1997ء، ص20

[3]۔ پاکستان کے قومی مسائل، منشورات، منصورہ ملتان روڈ لاہور، ص: 26

[4]۔ ایضاً، ص:27

[5]۔ ایضاً، ص:28

[6]۔ ایضاً، ص:28

[7]۔ پاکستان کے قومی مسائل، ص: 32

[8]۔ خرم مرادؒ، احیائے اسلام اور معلم، منصورہ ملتان روڈ لاہور، ص:31

[9]۔ احیائے اسلام اور معلم، ص:32

[10]۔ احیائے اسلام اور معلم، ص:33

[11]۔ احیائے اسلام اور معلم، ص:33

[12]۔ احیائے اسلام اور معلم، ص:31

[13]۔ خرم مرادؒ، احیائے اسلام اور معلم، ص:40

[14]۔ خرم مرادؒ، احیائے اسلام اور معلم، ص:30

[15]۔ خرم مرادؒ، احیائے اسلام اور معلم، ص:30

[16]۔ خرم مرادؒ، احیائے اسلام اور معلم، ص:30

[17]۔ خرم مرادؒ، احیائے اسلام اور معلم، ص:35

[18]۔ خرم مرادؒ، احیائے اسلام اور معلم، ص:48

[19]۔ خرم مرادؒ، پاکستان کے قومی مسائل: تجزیہ اور حل، ص:153

[20]۔ خرم مرادؒ، رزق حلال، منشورات لاہور، ص:02

[21]۔ البقرۃ:172

[22]۔ المومنون:51

[23]۔ رزق حلال، ص:12

[24]۔ آل عمران۔180

[25]۔ التوبۃ۔34

[26]۔ پاکستان کے قومی مسائل، ص:216